ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.1.2025

TITLE: EXISTENTIALISM: THEORIES AND PHILOSOPHICAL PRINCIPLES

وجودیت پسندی: نظریات اور فلسفیانہ اصول

Waseem Arshad
Assistant Lecturer, Department of Urdu, Lahore Garrison University, Lahore
Shahram Arshad
PhD Urdu Scholar, Lahore Garrison University, Lahore
Dr. Muhammad Naeem
PhD Urdu, Lahore Garrison University, Lahore
Sadia Sanaullah
MPhil Urdu, Lahore Leads University, Lahore

Abstract
Existentialism is a philosophical movement that emphasizes individual freedom, responsibility, and self-definition. According to this philosophy, human existence precedes essence, meaning individuals are not born with a predetermined purpose but must create their own meaning through actions and choices. The existentialist school of thought was expanded by prominent 19th and 20th-century philosophers such as Søren Kierkegaard, Friedrich Nietzsche, Jean-Paul Sartre, Gabriel Marcel, Martin Heidegger, and Karl Jaspers. This article critically explores the fundamental principles of existentialism, the contributions of key philosophers, and the influence of existentialist thought on modern philosophy and literature.

Keywords
Existentialism, Philosophy of Existence, Freedom and Responsibility, Jean-Paul Sartre, Humanism, Individualism, Choice and Consequences

وجودیت ایک جدید فلسفیانہ تحریک ہے جو فرد کی آزادی اور خود مختاری پر زور دیتی ہے۔ اس اصطلاح کو سب سے پہلے فرانسیسی کیتھولک فلسفی گیبریل مارسل نے 1940ء میں متعارف کروایا، تاہم ژاں پال سارتر نے 1945ء میں اس فلسفے کو ایک مکمل نظریے اور فکری تحریک کے طور پر پیش کیا۔ وجودیت کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ انسان کا وجود اس کی ذات پر مقدم ہے، یعنی فرد سب سے پہلے موجود ہوتا ہے اور پھر اپنے اعمال، خیالات، اور تجربات کے ذریعے اپنی شناخت تشکیل دیتا ہے۔

وجودیت کی جڑیں انیسویں صدی کے عظیم فلسفیوں سورن کیر کے گارڈ اور فریڈرک نطشے کے افکار میں پیوست ہیں۔ کیر کے گارڈ نے مذہبی پس منظر میں فرد کی انفرادیت اور اس کے داخلی تجربات کو مرکزی حیثیت دی، جبکہ نطشے نے روایتی مذہبی اور اخلاقی نظاموں کو چیلنج کرتے ہوئے فوق البشر (Übermensch) کا تصور پیش کیا۔ ان دونوں فلسفیوں نے اس خیال کو فروغ دیا کہ انسان کو اپنی زندگی کا خود خالق ہونا چاہیے اور کسی بیرونی طاقت یا مقدر کے تابع نہیں ہونا چاہیے۔

بیسویں صدی میں، مارٹن ہائیڈیگر اور ژاں پال سارتر نے وجودیت کو مزید فروغ دیا۔ ہائیڈیگر کی کتاب "*ہستی و زماں* (Being and Time)" نے وجود کے تصور کو گہرائی سے بیان کیا، جس میں اس نے وضاحت کی کہ انسان اس دنیا میں ایک بے مقصد ہستی کے طور پر نہیں آیا، بلکہ اسے اپنی حقیقت خود دریافت کرنی ہوتی ہے۔ دوسری طرف، سارتر نے "وجودیت ایک انسان دوستی ہے (Existentialism is a Humanism)" میں اس تصور کو مزید واضح کیا کہ انسان اپنی تقدیر کا خود خالق ہے اور اسے اپنے اعمال کی مکمل ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔

وجودیت کا اصل مقصد فرد کو روایتی نظریات، مذہبی عقائد، اور اجتماعی فکریات سے آزاد کر کے اس کی اپنی ذات کو دریافت کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ یہ نظریہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان پہلے وجود میں آتا ہے اور بعد میں اپنی زندگی کے معنی اور مقصد خود تخلیق کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجودیت کو ایک انسان مرکز (human-centric) فلسفہ بھی کہا جاتا ہے، جس میں فرد کی آزادی، انتخاب کی قوت، اور ذمہ داری کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

وجودیت کے بنیادی اصول

1۔ وجود جوہر پر مقدم ہے (Existence Precedes Essence)

وجودیت کے سب سے بنیادی اصول کے مطابق، انسان کی فطرت یا مقدر پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے اعمال اور فیصلوں سے اپنی شناخت قائم کرتا ہے۔ اس نظریے کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی انسان کی زندگی اور اس کی معنویت پہلے سے لکھی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ وہ خود اپنے انتخاب اور تجربات سے اپنی زندگی کا مقصد طے کرتا ہے۔ ژاں پال سارتر کے مطابق، انسان محض ایک حیاتیاتی وجود نہیں بلکہ ایک آزاد ہستی ہے، جو اپنے فیصلوں سے اپنی پہچان بناتا ہے۔

یہ تصور وجودیت کی بنیاد ہے اور اسے دیگر روایتی فلسفیانہ نظریات سے ممتاز کرتا ہے، جن کے مطابق انسان کی فطرت یا اس کا جوہر (Essence) پہلے سے متعین ہوتا ہے۔ قدیم فلسفوں، جیسے کہ ارسطو اور افلاطون کے مطابق، ہر چیز کی ایک پہلے سے متعین حقیقت ہوتی ہے، اور انسان کا جوہر پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔ تاہم، وجودیت اس خیال کو مسترد کرتے ہوئے کہتی ہے کہ انسان اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتا ہے اور کسی خارجی نظریے یا اصول کا پابند نہیں ہوتا۔

وجودیت میں، فرد کو مکمل آزادی دی جاتی ہے کہ وہ اپنی تقدیر خود تخلیق کرے۔ یہ آزادی فرد کو نہ صرف تخلیقی قوت بخشتی ہے، بلکہ اس پر ایک بھاری ذمہ داری بھی عائد کرتی ہے، کیونکہ اس کے تمام فیصلے اور اعمال اس کی اپنی ذات کے عکاس ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے سارتر کا کہنا تھا:

"انسان وہی ہوتا ہے جو وہ خود کو بناتا ہے"۔

یہ اصول ایک ایسے فلسفے کو جنم دیتا ہے جو انسان کی آزادی اور خود مختاری پر زور دیتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج کا بھی خود ذمہ دار ہوتا ہے۔

2۔ آزادی اور ذمہ داری

وجودیت کے فلسفے میں آزادی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ یہ تصور فرد کو مکمل خود مختاری فراہم کرتا ہے۔ تاہم، اس آزادی کے ساتھ ذمہ داری بھی لازم آتی ہے۔ ہر انسان کو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن اسے اپنے انتخاب کے نتائج بھی خود بھگتنے پڑتے ہیں۔ وجودی فلسفیوں کے مطابق، آزادی صرف ایک تحفہ ہی نہیں بلکہ ایک بھاری بوجھ بھی ہے، کیونکہ یہ انسان کو اپنے وجود کے ہر پہلو کے بارے میں خود فیصلہ کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ سورن کیرکے گارڈ کے مطابق، فرد جب اپنی مکمل آزادی کا شعور حاصل کر لیتا ہے تو وہ ایک قسم کے "وجودی اضطراب (Existential Angst)" کا سامنا کرتا ہے، کیونکہ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کی ہر حرکت، ہر فیصلہ، اور ہر ردعمل کا نتیجہ براہ راست اس کی زندگی پر اثر انداز ہوگا۔

ژاں پال سارتر نے اس اصول کو مزید گہرائی سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ کوئی مطلق سچائی یا الٰہی منصوبہ موجود نہیں، اس لیے فرد کو خود اپنی حقیقت تشکیل دینی ہوتی ہے اور اپنی تقدیر خود طے کرنی ہوتی ہے۔ یہی آزادی انسان کو خوفزدہ بھی کرتی ہے، کیونکہ وہ اپنی کامیابی یا ناکامی کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور اپنی زندگی کے تمام فیصلے خود لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ سارتر کے مطابق، ایک انسان اگر اپنی آزادی کو استعمال نہیں کرتا اور دوسروں کے طے کردہ اصولوں کے مطابق زندگی گزارتا ہے، تو وہ "غیر مصدقہ وجود (Inauthentic Existence)" کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ دوسری طرف، اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اپنی زندگی کے فیصلے خود لیتا ہے، تو وہ ایک "مصدقہ وجود (Authentic Existence)" کے اصول پر عمل کر رہا ہوتا ہے۔ یہ اصول ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ فرد کی حقیقی آزادی صرف اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو کو خود کنٹرول کرے اور اپنے انتخابوں کے نتائج کو مکمل طور پر قبول کرے، خواہ وہ مثبت ہوں یا منفی۔

3۔ زندگی کی بے معنویت

وجودی فلسفیوں کے مطابق، انسان کسی پہلے سے طے شدہ مقصد کے تحت پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اسے اپنی زندگی کے معنی خود تلاش کرنے ہوتے ہیں۔ چونکہ اس دنیا میں کوئی حتمی مقصد یا مطلق سچائی موجود نہیں، اس لیے ہر فرد کو اپنے تجربات، جذبات، اور شعوری فیصلوں کے ذریعے اپنی زندگی کو معنویت دینی ہوتی ہے۔ البیر کامیو نے اپنے فلسفے "بے معنویت (Absurdism)" میں اس نکتے پر بحث کی ہے کہ زندگی میں فطری طور پر کوئی معنی موجود نہیں ہوتا، اور یہی حقیقت انسان میں اضطراب اور بے چینی پیدا کرتی ہے۔ تاہم، اس کا حل یہ ہے کہ انسان اپنی اقدار خود تخلیق کرے اور اپنی زندگی میں خود معنویت پیدا کرے۔ کامیو کے مطابق، بے معنویت کو قبول کرنا ہی اصل آزادی ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کو کسی بیرونی نظریے کے مطابق ڈھالنے کی بجائے خود اپنے تجربات اور ترجیحات کے مطابق زندگی کے مقاصد متعین کرنے چاہئیں۔ اس کے نزدیک "سیسیفس کا اسطورہ (The Myth of Sisyphus)" اس فلسفے کی بہترین تمثیل ہے، جس میں ایک شخص کو ایک بوجھ کو بار بار پہاڑ پر لے جانا پڑتا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ عمل بے مقصد ہے، لیکن وہ پھر بھی اپنے کام کو خوشی سے انجام دیتا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں معنویت خود پیدا کرنی پڑتی ہے، بجائے اس کے کہ وہ کسی پہلے سے طے شدہ مقصد کا انتظار کرے۔

4۔ دہشت اور اضطراب

سورن کیر کے گارڈ اور مارٹن ہائیڈیگر کے مطابق، جب انسان کو اپنی آزادی کا مکمل شعور حاصل ہوتا ہے تو وہ دہشت اور اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ اضطراب اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر فرد اپنی تقدیر کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے کسی بھی عمل کا نتیجہ غیر متوقع ہو سکتا ہے۔ یہ شعور کہ ہمیں اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے ہیں، بعض اوقات خوف اور گھبراہٹ کا باعث بھی بن سکتا ہے، کیونکہ اس میں غلطی کے امکانات ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔

مارٹن ہائیڈیگر نے اس کیفیت کو "وجودی اضطراب (Existential Angst)" کا نام دیا، جو ہر آزاد انسان کے شعور کا ایک لازمی حصہ ہے۔ ان کے مطابق، یہ اضطراب صرف ایک نفسیاتی کیفیت نہیں، بلکہ ایک گہرا فلسفیانہ احساس ہے، جو فرد کو اس کی فانی حیثیت کا احساس دلاتا ہے۔ ہائیڈیگر کے مطابق، جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وجود عارضی ہے اور وہ ایک دن فنا ہو جائے گا، تو وہ گہرے اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تاہم، یہ اضطراب انسان کو حقیقت کا سامنا کرنے اور اپنی زندگی کو با مقصد بنانے پر مجبور کرتا ہے۔ سورن کیر کے گارڈ کے مطابق، آزادی کا یہ اضطراب دو قسم کی کیفیتوں کو جنم دیتا ہے:

1. دہشت :(Dread) جب انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام فیصلے خود لے سکتا ہے اور اس پر کوئی پابندی نہیں، تو وہ خوفزدہ ہو جاتا ہے۔
2. اضطراب :(Angst) جب انسان کو اپنی ذمہ داریوں اور اپنی آزادی کے انتخاب کے نتائج کا ادراک ہوتا ہے، تو وہ بے چینی اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ احساس، اگرچہ ابتدا میں تکلیف دہ ہوتا ہے، مگر وجودیت کے فلسفے کے مطابق، یہی اضطراب انسان کو خود شناسی اور خود مختاری کے سفر پر لے کر جاتا ہے۔ یہ اضطراب فرد کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرے اور اپنی حقیقت کو بہتر طور پر سمجھے۔

اہم وجودی فلسفی اور ان کے نظریات

سورن کیر کے گارڈ (1813–1855)

سورن کیر کے گارڈ وجودیت کے اولین مفکر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی وجودیت پسند تھے جنہوں نے فرد کی انفرادیت اور اس کے داخلی تجربات پر زور دیا۔ اپنی کتاب "دہشت کا تصور (The Concept of Dread, 1844)" میں انہوں نے دہشت کو آزادی عمل کے ساتھ جوڑا اور کہا کہ جب انسان کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے فیصلوں کے امکانات کے بارے میں اضطراب محسوس کرتا ہے۔

ان کی دیگر نمایاں تصانیف میں "یا / یا (Either/Or)" اور "خوف اور لرزش (Fear & Trembling)" شامل ہیں۔ کیر کے گارڈ نے کہا کہ فرد کو اپنی زندگی کے انتخاب خود کرنے چاہئیں، اور مذہبی سطح پر سچائی کی تلاش ایک ذاتی تجربہ ہے، جس میں دوسروں کے خیالات پر انحصار کرنا غلط ہوگا۔ وہ یہ بھی مانتے تھے کہ زندگی میں بے یقینی اور اضطراب فرد کی شناخت کا لازمی حصہ ہے، اور یہی اضطراب اسے حقیقی معنوں میں خود شناسی کی طرف لے کر جاتا ہے۔

فریڈرک نطشے (1844–1900)

نطشے نے مذہبی عقائد کو مسترد کرتے ہوئے "*خدا مر چکا ہے* (God is dead)" کا نظریہ پیش کیا۔ ان کے مطابق، انسانی زندگی کی تمام اقدار تاریخی اور ثقافتی طور پر تخلیق شدہ ہیں اور ان پر غیر تنقیدی یقین رکھنا فرد کی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ نطشے کے فلسفے میں "*فوق البشر* (Übermensch)" کا تصور بہت اہم ہے، جو ایک ایسا فرد ہے جو اپنی زندگی کے معنی خود تخلیق کرتا ہے اور اخلاقی اور سماجی روایات سے آزاد ہوتا ہے۔ انہوں نے "*اخلاق کی نسبیت* (Moral Relativism)" پر زور دیا اور کہا کہ روایتی مذہبی اخلاقیات کمزور افراد کو قابو میں رکھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔ نطشے کے نزدیک، "*اقتدار کی خواہش* (Will to Power)" انسان کی بنیادی فطرت ہے، اور یہی جذبہ اسے تخلیقی اور طاقتور بننے پر مجبور کرتا ہے۔ ان کی مشہور تصانیف میں "*ایسے بولا زرادتشت*(Thus Spoke Zarathustra)"، "*اخلاق کی اصل* On the Genealogy of Morality)" اور "*شفق* (Twilight of the Idols)" شامل ہیں۔ نطشے نے یہ بھی کہا کہ انسان کو اپنی تقدیر خود بنانی چاہیے اور کسی خارجی یا الہامی اصول پر انحصار کیے بغیر اپنی زندگی کو معنی دینا چاہیے۔

کارل جیسپرز(1883-1969)

جیسپرز کے مطابق، وجودی بحران سے گزر کر ہی انسان کو حقیقی شعور حاصل ہوتا ہے۔ وہ انسان کی زندگی کو ایک مسلسل ارتقائی عمل کے طور پر دیکھتے ہیں، جس میں فرد اپنے تجربات سے سیکھتا ہے اور خدا کے وجود کو دریافت کرتا ہے۔

گبریئل مارسل(1889-1973)

مارسل ایک مذہبی وجودیت پسند تھے۔ وہ فرد کی روحانی شناخت پر زور دیتے ہیں اور ان کا ماننا تھا کہ انسان کا معروضی مطالعہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی داخلی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔

مارٹن ہائیڈیگر(1889-1976)

ہائیڈیگر نے "*ہستی و زماں* (Being and Time)" میں وجود کے تصور کو وضاحت دی۔ ان کے مطابق، دنیا میں تمام اشیاء موجود تو ہیں، مگر صرف انسان ہی "وجود" رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں بغیر کسی مقصد کے پھینکا گیا ہے اور اسے اپنی حقیقت خود تلاش کرنی ہوتی ہے۔

ژاں پال سارتر(1905-1980)

سارتر نے وجودیت کو ایک عملی تحریک میں تبدیل کیا اور اسے "*Existentialism is a Humanism*" کے عنوان سے پیش کیا۔ سارتر نے یہ بھی کہا کہ چونکہ خدا کا کوئی وجود نہیں، اس لیے انسان کو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا ہوں گے اور اپنی تقدیر خود بنانی ہوگی۔

وجودیت اور جدید انسانی فکر

وجودیت نے بیسویں صدی کے ادب، فلسفہ اور نفسیات پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس فلسفے نے انسان کی داخلی کیفیات جیسے کہ **مایوسی، بے بسی، دہشت، اور آزادی** پر گفتگو کو فروغ دیا۔ اس فلسفے کے اثرات ادب میں **دوستوو سکی، کافکا، کامیو، اور بیکٹ** جیسے مصنفین کے کام میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

وجودیت کا تنقیدی جائزہ

بنی نوع انسان کی تاریخ میں انقلاب فرانس کو جاگیر داری کے خلاف تبدیلی اور تغیر کے حوالے سے ایک روشن مینار نور کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے جلو و پلو میں اشتراکی مفکر اعظم کارل مارکس اور فیڈرک اینگلز کے فکر انگیز انقلابی نظریہ اور مبارزہ نے نسل انسانی کو اپنی قسمت اپنے ہاتھ لینے پر مائل کیا۔ جب تقدیر کی بجائے تدبیر کے ذریعے وہ اپنے مقدر کا خود مالک بننے کی ڈگر پر چل پڑا تو سسٹم اینڈ سٹیٹس کو جوں کا توں بر قرار رکھنے میں عافیت محسوس کرنے والے سرمایہ دار طبقے اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام خاص کر اہل علم ودانش نے ان کو ناکام اور بدنام کرنے کیلئے ان کے خلاف اپنی کمانیں سیدھی کر لیں۔ یہ بات حقیقت ہے کہ تاریخ کا معروضی عمل حکمرانوں اور استحصالی عناصر کی پسند اور ناپسند پر رکا یا بدلہ نہیں جا سکتا۔

> ”ارتقاء اور ترقی کے نظریات نے انسان کو یہ پیغام دیا ہے کہ انسان مجبور محض اور تقدیر کے ہاتھوں میں قیدی نہیں ہے بلکہ وہ برابر آگے کی جانب بڑھ رہا ہے اور انسانی تہذیب و تمدن مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ (1)

مارکسی تعلیمات کے اس عالیشاں فکری اور عملی سفر کو رکنے کی خواہش میں مبتلا عناصر نے مختلف شعبوں میں مختلف نعروں، اصولوں، پروپیگنڈوں اور خود ساختہ نظریات کا پرچار شروع کیا جس میں علم وادب کے شعبے میں ان کی مختلف کوششوں میں وجودیت کی تحریک بھی شامل ہے۔اس کی علاوہ مختلف رجحانات جنہوں نے کارل مارکس اور دیگر ترقی پسند انقلابیوں کا مقابلہ کرنے کا ٹھان لی ان میں انارکسزم، لیبرلزم،ماڈرنزم، عدم تشدد کے علمبردار اور سیگمنڈ فرائیڈ کے زیر اثر ایک طرف توسیکولرزم اور آزاد خیالی کے حامی رہے تو دوسری جانب طبقاتی سماج اور استحصالی نظام کو برقرار رکھنے کے حق میں بھی رہے۔ان کے ساتھ ساتھ سوشلزم کے منحرف عناصر سوشل ڈیموکریٹس، فیبین سوسائٹی اور لیون ٹراٹسکی کے چاہنے والے دانستہ اور غیر دانستہ طور پر قومی مزاحمتی تحریکوں اور انقلابیوں کو نقصان اور کینسر زدہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ مندرجہ بالا سیکولرزم، جدیدیت اور بورژوا انقلابیت کے تمام دعویدار دنیا بھر کی محکوم قوموں اور انقلابی عوامی مزاحمتی تحریکوں کی مخالفت اور دشمنی پر متفق ہیں۔ کانگریسی قائدین اور عدم تشدد کے علمبردار گاندھی جی اور پنڈت نہرو تمام اختیارات اور اقتدار کے مالک بننے کے باوجود بھی برہمن کی بالادستی کو قائم رکھنے کے لئے اپنے شودر اور دلت کو غلام رکھا جو آج بھی ہندوستان اور عدم تشدد کے دامن پر ذات پات کا ایک بدنما داغ ہے۔

جس طرح سرخ جھنڈا اٹھا کر سرخ جھنڈے کی مخالفت کی جارہی ہے بالکل اسی طرح پاکستان جیسے ترقی پذیر بلکہ پسماندہ ملک میں استحصالی نظام کے رکھوالے جاگیر دار، سرمایہ دار اور قبائلی عناصر موجودہ سسٹم اور سٹیٹس کو کو برقرار رکھنے کیلئے اکثر جمہوریت اور تبدیلی کے علمبردار نظر آتے ہیں لیکن عملی طور پر یہ لوگ قدامت پرست اور رجعتی مذہبی عناصر سے مل کر ذاتی اور گروہی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔

وجودیت فلسفے کے شعبے میں تشکیک، تجرید اور لایعنیت جیسے رجحانات کی ترقی یافتہ شکل ہے۔براعظم یورپ میں سورین کیرکیگارڈ (1813-55) نے پہلی بار اسے فکری رجحان کی شکل دی۔وہ اپنے بنیادی فکر کے اعتبار سے دائیں بازو کا رجعتی عالم ہے۔اس نے زندگی کی بے معنویت کو عام کر کے موجودہ نظام کے خلاف تحریکوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔اس طرح ایک زمانے میں مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی نئی نسل فرار کی راہ پر ڈالنے کا اس رجحان میں مناسب بندوبست نظر آیا۔لہذا سرمایہ دار دنیا نے اس رجحان کی باقاعدہ پرورش اور افزائش شروع کی۔بعد ازاں فریڈرک نطشے، مارٹن ہائیڈیگر، کارل جیسپرز، جبرئیل مارسل اور دوستوفیسکی سے لے کر جین پال سارتر (1905-1980) تک اس رجحان کو وجودیت کے نام سے ایک علیحدہ مکتبہ فکر اور مارکسزم کے متبادل کے طور پر پیش کرتے رہے۔البرٹ کامیو اور فرانز کافکہ کے فعال کردار کی وجہ سے ادب اور آرٹ پر وجودیت کی تحریک کا دیر تک سایہ رہا۔

جین پال سارتر نے وجودیت میں اپنا الگ مکتبہ فکر بنانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس نے بقیہ وجودی مفکروں کے مقابلے میں خود کو نسبتاً ترقی پسند اور انقلابیوں کا دوست قرار دینے کا اعلان کیا۔اس کے علاوہ جین پال سارتر نے اپنے پیش رو سے مختلف کردار ادا کرتے ہوئے دنیا میں محکوم قوموں ویت نام، کیوبا اور الجزائر وغیرہ کی بھرپور حمایت کی۔

> "سارتر کی سامراج دشمنی غیر ممالک تک محدود نہیں۔اس نے اپنے ہی ہم وطنوں) فرانسیسی (کے ظلم و تشدد کے خلاف ہمیشہ الجزائری حریت پسندوں کا ساتھ دیا اور ہر ممکن طریقے سے ان کی جدوجہد آزادی کی تائید و حمایت کی یہاں تک کہ اس نے الجزائر میں مقیم فرانسیسی فوجیوں سے اپنے فرائض سے دستبردار ہو کر فرار ہو جانے کی اپیل کی۔" (2)

محکوم قوموں کی حمایت، معروضیت اور موضوعیت کی کشمکش، سامراج کی دشمنی، مذہبی وجودیت سے دہری وجودیت، نوبیل پرائز کے حصول سے انکار اور جدلیاتی مادیت کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وجودی مکتبہ فکر بری طرح تقسیم اور دھڑہ بندی کا شکار ہوا۔اس طرح وجودیت کے اثرات محدود ہونے لگے۔وجودیت کے معدوم ہونے سے نیشنلزم اور کمیونزم کو تقویت ملی۔تحریک وجودیت کے مفکرین کے درمیان اتفاقات سے اختلافات زیادہ ہیں۔یہاں تک کہ وہ وجودیت کے ایک متفقہ تعریف پر بھی متفق نہ ہو سکے۔

> "وجودیت کی تعریف کرنا نہ صرف مشکل بلکہ خود وجودی نقطہ نظر کے خلاف ہے۔کیونکہ تعریف کا مطلب "جوہر" کا بیان ہے اور وجودیت انسان کے کسی جوہر کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے"۔(3)

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
Vol.8. No.1.2025

علی عباس جلالپوری نے وجودیت کی اصطلاح کا ذکر کرتے ہوئے اردو ترجمہ کی خامی کی جانب نشاندہی کی اور بتایا کہ ایگزسٹینشل ازم کا اردو ترجمہ وجودیت نہیں بلکہ موجودیت ہے۔

> " ایگزسٹینشل ازم کا ترجمہ بعض لوگوں نے وجودیت سے کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ وجود کا ترجمہ Being ہے۔ Existent کا ترجمہ "موجود" ہے۔ مزید بر آں وجودیت سے ہمارے ہاں وحدت الوجود یا ہمہ اوست مراد ہے۔ جو صوفیہ اس نظریے کے قائل ہوئے ہیں۔ انہیں وجودی یا وجودیہ کہا گیا ہے۔"(4)

وجودیت کی تحریک تین مفروضات پر مشتمل ہے :۔

1۔ انسانی عقل محدود ہے اور مسائل کا جامع حل پیش کرنے سے قاصر ہے۔

2 ۔ انسان اپنی ابتدائی مطلق سچائی سے علیحدہ ہونے کے بعد مسلسل کرب اور تشویش میں جکڑ گیا۔

3۔ انسان اور فطرت کے مابین ہم آہنگی موجود نہیں ہے لہذا انسانی زندگی مسلسل بے معنویت کا شکار ہے۔ اس کے نتیجے میں حزن وملال انسانی زندگی کے مستقل رجحانات ہیں۔

بیسویں صدی انسانی ارتقاء کے معراج کی صدی سمجھی جاتی ہے۔ اس صدی کا سب سے اہم جوہر انسانی عقل کی بالادستی کا رجحان ہے۔ انسانی علوم، فلسفہ اور سائنس کی ترقی نے عقل کی بالادستی کو مصدقہ آفاقی رجحان بنادیا۔ وجودیت پرست عناصر نے انسانی عقل کو محدود بتا کر دراصل قدامت پرست مذہبی عناصر نے جن خیالات کا اظہار کیا اور جن مفروضات کو قبول یا رد کیا ان سب کیلئے انسانی عقل ہی واحد میزان ہے پھر بھی وہ انسانی عقل اور سائنس کی مخالف پر بضد ہیں۔

سارتر کے مطابق وجود کو جوہر پر تقدم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انسانی وجود کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے سارتر اس بنیادی اصول کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیتا ہے۔ جو مادے میں حرکت و تغیر کے اٹل قوانین کے منافی ہے۔ جب وہ انسانی وجود کو اپنے جوہر سے آزاد کر دیتا ہے تو انسانی زندگی کا معنی گم ہو جاتا ہے اور سماج پر فرد کو فوقیت حاصل ہو جاتی ہے۔ فرد اور انسان کا یہ تضاد سرمایہ دارانہ نظام اور اس میں ہونے والے استحصال کے فائدے میں جاتا ہے اور وہ بنی نوع انسان کی اجتماعی ترقی اور سوشلزم کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں۔ موجودہ نظام کو تبدیل کرنے کی مشترکہ کاوشوں کا حصہ بننے اور معاشی غنڈوں کو عوامی رنگ میں بدلنے کو وجودی عناصر فرد کی آزادی کے منافی قرار دیتے ہیں۔ اس طرح فرد کی آزادی کا نعرہ انسان کو نظام کی تبدیلی کی جدوجہد سے باز رکھنے کے کام آتے ہیں۔

> "عظیم شخصیتیں بھی اس لئے عظیم بنتی ہیں کہ وہ معاشرے کے افراد، ان کے خیالات، خواہشات اور امنگوں کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اس لئے وہ معاشرے کی اجتماعی قوت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ وہ اس وقت کامیاب ہوتی ہیں جب وہ اپنے عہد کے لوگوں کے ساتھ چلنے پر تیار ہوں اس لئے تاریخی عمل معاشرہ کے تمام سرگرمیوں سے مل کر بنتا ہے اور ان کی اجتماعی، ذہنی وجسمانی کاوشوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔" (5)

وجودیت ایک ایسا فلسفہ ہے جو انسانی شعور، آزادی اور انفرادی ذمہ داری پر زور دیتا ہے۔ یہ فلسفہ سکھاتا ہے کہ زندگی کے معنی پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتے، بلکہ انسان خود انہیں تلاش کرتا ہے۔ ژاں پال سارتر، کرکیگارڈ، نطشے، ہیڈیگر اور دیگر وجودی فلسفیوں کے مطابق، زندگی کے تمام مسائل کا حل شعوری غور وفکر اور انفرادی کوشش میں مضمر ہے۔

References:

Ali, M. (2012). *Tareekh Aur Falsafa-e-Tareekh.* Tareekh Publications.

Ali, M. (2012). *Tareekh Aur Falsafa-e-Tareekh.* Tareekh Publications, p. 107.

Arshad, W., Maqsood, A., Zaidi, S. S., Haroon, M., Qadir, U. M., Sultana, U., Arshad, S., Haq, M. I. U., & Sanaullah, S. (2024). Kalam-e-Iqbal: Current requirements and our priorities. Retrieved from https://www.researchgate.net/publication/384326267_Kalam_E_Iqbal_Current_Requirements_And_Our_Priorities

Jalalpuri, A. A. (2013). *Rawayat-e-Falsafa.* Takhleeqat.

Javed, J. I., Munawer, M., Ahsan, S., Ali, M. S., Qadir, M. H., Raheed, M., Mumtaz, S., & Arshad, W. (2023). Allama Iqbal and Maulana Abul Kalam Azad's thoughts and ideas about the existence and survival of the Islamic state: In the context of literary aspects. *PalArch's Journal of Archaeology of Egypt/Egyptology, 20*(2), 1239-1250. Retrieved from https://www.researchgate.net/publication/384326781

Javed, Q. (2010). *Wujoodiyat.* Fiction House.

Jawaid, A. (2014). Benchmarking in TESOL: A study of the Malaysia Education Blueprint 2013. *English Language Teaching, 7*(8), 23-38. Canadian Center of Science and Education. Retrieved from https://files.eric.ed.gov/fulltext/EJ1076002.pdf

Jawaid, A., Batool, M., Arshad, W., Haq, M. I. U., Kaur, P., & Arshad, S. (2025). English language vocabulary building trends in students of higher education institutions: A case of Lahore, Pakistan. *Contemporary Journal of Social Science Review, 3*(1), 730-737. Retrieved from https://jalt.com.pk/index.php/jalt/article/view/370

Jawaid, A., Batool, M., Arshad, W., Kaur, P., Irum, S., & Haq, M. I. U. (2024). English language pronunciation challenges faced by tertiary students. *Contemporary Journal of Social Science Review, 2*(4), 2104-2111. Retrieved from https://contemporaryjournal.com/index.php/14/article/view/361

Jawaid, A., Khalil, A., Gohar, S., Kaur, P., Arshad, W., & Mukhtar, J. (2024). English language learning theories and digital technologies of the 21st century: A systemic scenario. *Journal of Applied Linguistics and TESOL, 7*(4). Retrieved from https://jalt.com.pk/index.php/jalt/article/view/369

وسیم ارشد, منزہ منور ڈاکٹر, and محمد اکرام الحق. "اکیسویں صدی کے اُردو افسانوں میں سماجی شعور." *Jahan-e-Tahqeeq*, vol. 7, no. 2, 2024, pp. 78-85. https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/1360.

وسیم ارشد, زوہیب اصغر, and شہرام ارشد. "خالد فتح محمد کے افسانوں کا مجموعی جائزہ." *Jahan-e-Tahqeeq*, vol. 7, no. 2, 2024, pp. 69-77. https://jahan-e-tahqeeq.com/index.php/jahan-e-tahqeeq/article/view/1359.

سعدیہ ثناء اللہ, and وسیم ارشد. "رابعہ الربآؔ کے افسانوں کا جائزہ." *Harf-o-Sukhan*, vol. 8, no. 2, 2024, pp. 119-128. https://harf-o-sukhan.com/index.php/Harf-o-sukhan/article/view/1314.

اسلم حمید, وسیم ارشد, and شہرام ارشد. "اردو نثری نظم کی روایت۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ." *Harf-o-Sukhan*, vol. 8, no. 1, 2024, pp. 282-289. https://harf-o-sukhan.com/index.php/Harf-o-sukhan/article/view/1155.

.

منزہ منور ڈاکٹر, وسیم ارشد, and محمد اکرام الحق. "علامہ محمد اقبالؒ کا تصورِ خودی۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ." *Harf-o-Sukhan*, vol. 8, no. 2, 2024, pp. 144-150. https://www.harf-o-sukhan.com/index.php/Harf-o-sukhan/article/view/1319.